

تفسیر اس البیان (اردو)

صحیح احادیث کی روشنی میں ایک مختصر مگر جامع تفسیر

تفسیر
حافظ صلاح الدین یوسفؒ



ترجمہ
خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھی

نظر ثانی
مولانا صفی الرحمن مبارکپوری



دارالعلوم
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
ریاض - سعودی عرب

جملہ حقوق اشاعت برائے
دارالسلام پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
محفوظ ہیں



دارالسلام

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
پوسٹ بکس نمبر 22743 ریاض 11416 مملکت سعودی عرب
ٹیلیفون 4033962 فیکس 4021659

برائے آفس

دارالسلام

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
50 لوئر مال، لاہور پاکستان
ٹیلیفون

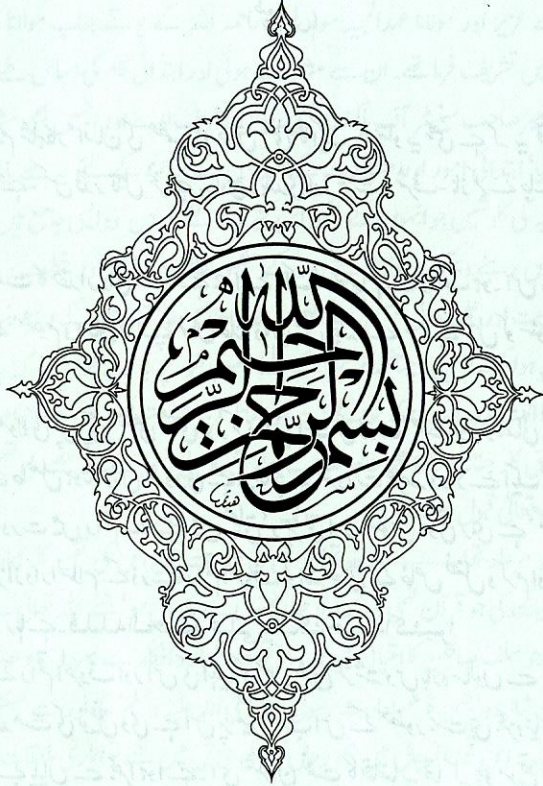
7240024 - 7232400

فیکس 7354072

چوتھا ایڈیشن
1998 عیسوی بمطابق
1418 ہجری



❖ اس قرآن کو ہم نے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں
❖ بیشک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے



شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ
یقیناً یہ قرآن اس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے

عرض ناشر

(طبع اول)

فطرت کے عظیم شاہکار، انسان کی عظمت و خوش بختی کا ایک بڑا پہلو یہ بھی ہے کہ یہ قرآن مجید کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا مخاطب ہے۔ کس قدر قابل فخر ہے یہ اوج و بلندی اور عزت و شرف۔ ناز کرتے جائیے، کرتے جائیے پھر بھی کم ہے۔

مگر اس عظمت کا حقدار وہی ٹھہرتا ہے جو اپنے مالک کے پیام سے واقف ہو۔ اس کی حلاوت کو محسوس کرے اور ان کے مفہوم و معانی کو اپنے نہال خانہ ذہن میں جگہ دے کر اپنے عمل کو سنوار سکے اور اس میں نکھار پیدا کر سکے۔

اپنے آقا و مولا کی سچی، میٹھی میٹھی اور کریمانہ ہدایت کی لذت، نعمت اور رہنمائی کے حصول کے لئے قرآن فہمی کا وصف حاصل ہونا از بس ضروری ہے۔ چنانچہ یہ ضرورت عرصہ دراز سے ایک آرزو۔ ایک خواہش اور ایک تمنا کی صورت میں راقم کے سینے میں چمکتی، دھڑکتی اور محسوس ہوتی رہی ہے، مگر اس کی طباعت کا مقدس اور وقیع اعزاز دار السلام کے ذریعے راقم الحروف کو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم اور عنایات بے کراں سے اب حاصل ہو رہا ہے۔ **فلله الحمد علی ذالک حمد اکثیرا**

اللہ تعالیٰ نے راقم الحروف اور اس کی اہلیہ کو جس طرح گزشتہ دس بارہ سالوں سے سرزمین ریاض میں دعوت اسلامی کی خدمت کی توفیق دی ہے اس پر میرا قلب اس کے حضور بہت ہی عجز و نیاز اور بھرپور شکرانہ نعمت کے جذبات بے پایاں سے بھرا ہوا ہے۔ اسی شکرانہ نعمت کا تقاضا یہ تھا کہ جو موقع اللہ تعالیٰ نے فراہم فرمایا ہے اس کے شایان شان کام ہو اور ایک ایسی وقیع تفسیر، حواشی اور ترجمہ تیار کیا جائے جو بلاشبہ سلف صالحین کے افکار و نظریات، عقیدہ اور منہج کی تنویر سے منور ہو جس میں محدثین کے دور علمی کی خوشبوئیں رچی بسی ہوں اور جو توحید و اتباع سنت کے وہ نمونے اپنے اندر سموئے ہوئے ہو جو دور صحابہ کی مقدس امانت ہیں۔ جسے پڑھنے والا تاویلات کے پھندوں کو اپنے گلے سے اتار چھینے اور قرآن مجید کو احادیث پاک کی روشنی سے سمجھ سکے۔ ایسی تفسیر جس سے پڑھنے والوں کی تعمیر شخصیت بہ اس طور ہو کہ وہ اوروں کی غلامی کا جو اتار کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق بندہ تقویٰ کے اس مطلوبہ معیار پر پورا اترنے کی کوشش کر سکے جس کے بعد اللہ تعالیٰ کے کلام کی شیرینی، حلاوت اور مٹھاس اس کے رگ و پے میں سما جاتی ہے۔

میری اہلیہ محترمہ (مدیرہ مدرسہ فاطمہ الزہراء ریاض) نے فریضہ تدریس قرآن کی انجام دہی کے دوران ایسی تفسیر کی کمی کو شدت سے محسوس کیا۔ طالبات کی علمی تشنگی کا ذکر کیا تو کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ اللہ کی توفیق حاصل ہوئی تو مجھے اس کام کے آغاز کے حوصلہ و ہمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے نواز دیا۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ میرے عزیز اور مولانا عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ کے پوتے جناب مولانا محمد ادریس فاروقی صاحب بھی ریاض میں تشریف فرماتھے۔ ان سے مشاورت ہوئی اور ابتدائی کام کی اساس طے ہو گئی، پھر معابد جناب پروفیسر ساجد میر صاحب سینٹر آف پاکستان بھی ریاض تشریف لائے اور انہیں بھی مشاورت اور بنیادی امور میں شامل کر لیا، ابتدائی امور اور مشاورت کے بعد اس کے ترجمہ کے لئے یہ طے پایا کہ مولانا محمد جونا گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششیں جو انہوں نے تفسیر ابن کثیر کے لئے کی ہیں، وہ ایسی جامع ہیں کہ مزید ترجمہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہنے دیتیں۔ مولانا اپنے دور کے مشہور عالم دین، مفکر اور خطیب و واعظ تھے۔ ان کی ذہانت، فطانت، عبقریت اور علمی ذوق مسلم ہے۔ للہیت اور اخلاص و تقویٰ ان کے ایسے بنیادی محاسن تھے جو قرآن فہمی کی اساس ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ ترجمہ کے لئے اصولی طور پر یہ طے کر لیا گیا کہ یہ تفسیر ابن کثیر ہی سے لے لیا جائے گا البتہ اردو ادب کے حوالے سے جو الفاظ آج کل متروک ہیں ان کی اصلاح کی ذمہ داری ادارہ میں میرے رفیق کار جناب حافظ محمد طاہر صاحب نے سنبھالی جس کے کچھ حصے کی تصحیح کا اعزاز خود مجھے بھی حاصل ہوا۔ (اللہ تعالیٰ قبول فرمائے)

اب ایک اور مرحلہ تھا۔۔۔۔۔ اور وہ تھا حواشی کی صورت میں اس کی تفسیر کا۔ ہماری نظریں متلاشی تھیں ایک ایسی شخصیت کی جو قرآن فہمی کی خدا داد صلاحیتوں سے مالا مال ہو، جسے اللہ تعالیٰ نے ایسی خصوصیات سے سرفراز فرمایا ہو جو سلف صالحین کا امتیاز رہی ہیں جو قوت اظہار و افکار سے بہرہ ور ہو اور توحید و سنت کے عقیدہ کی پختگی سے سرشار ہو، جس کا علم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے مستیر ہو یہ خصوصیات اور دور حاضر، اللہ۔ اس خط الرجال میں ہم رجال کار کی تلاش میں نکلے تو ہماری ملاقات حافظ صلاح الدین یوسف صاحب سے ہو گئی۔ شخصی محاسن کی جمع تفریق اس دور کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ یہ بعض اوقات عجیب و غریب رنگ دکھاتی ہے۔ تاہم حافظ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اس سے ملتی جلتی بہت سی صلاحیتوں سے نواز رکھا ہے جن صفات کے حامل ہمارے اسلاف تھے۔ وہ ایک اچھے لکھاری اور صاحب علم و فضل شخصیت ہیں۔ الاعتصام کی طویل ادارت نے ان کی تحریر میں پختگی، مختلفگی اور روانی کی حلاوت خوب پیدا کر رکھی ہے اور جب مسئلہ قرآن مجید کی توضیح کا ہو اور ذہن و فکر کی رسائی احادیث سے حاصل کی گئی ہو تو تحریر میں کچھ اور ہی نکھار پیدا ہو جاتا ہے جو آپ کو ان حواشی میں جگہ بہ جگہ ملے گا۔

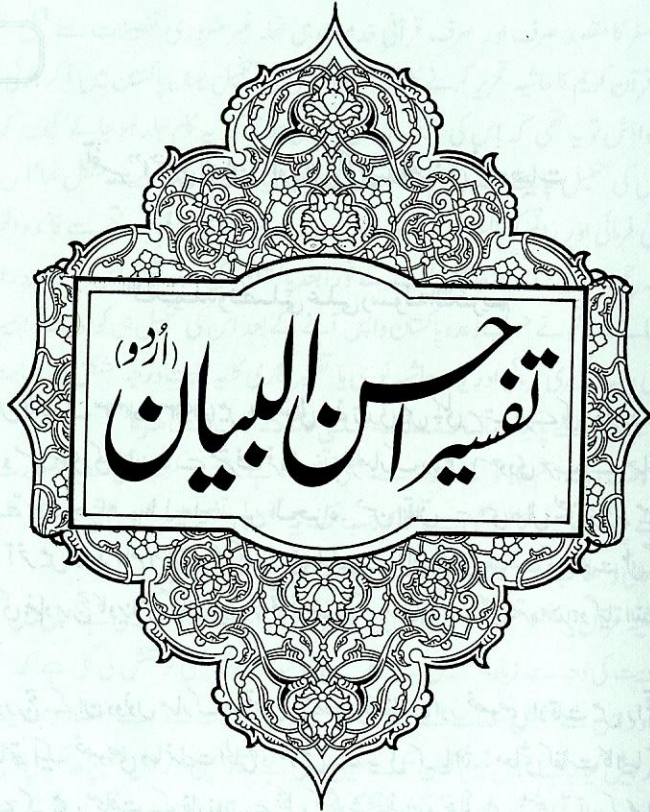
شعبان ۱۴۱۳ ہجری سے محترم حافظ صاحب کی ریاض آمد سے اس کا آغاز ہو گیا۔ ادارہ نے جناب حافظ صاحب کے لئے یکسوئی، فراہمی کتب اور علمی و تحقیقی ماحول ریاض ہی میں مہیا کر دیا۔ مراجع کے لئے تفسیر

طبری، ایسرائتقاہیر، زبدۃ التفسیر اور فتح القدیر وغیرہ میاکی گئیں تاکہ حواشی ایک جاندار تحقیق کا نمونہ ہو سکیں۔ انہوں نے الحمد للہ اس کام کو بطریق احسن نبھایا اور پورے اسماک، دلچسپی اور محبت سے مکمل کیا۔ اس کا ایک اہم مرحلہ کتبت کا بھی تھا جس کے لئے ہماری نظر انتخاب اپنے عم زاد محترم محمد یعقوب کیلانی پر پڑی، موصوف نے نہایت خوبصورتی اور حسن کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبھایا، اللہ تعالیٰ انہیں اس پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

دارالسلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ اپنے تمام علمی امور کو بہ نظر دقیق جائزہ لینے کے بعد ہی قابل اشاعت بناتا ہے۔ چنانچہ اس کی مراجعت کے لئے جس شخص کی ہم نے خدمات حاصل کیں وہ فی الواقع ایک اعلیٰ علمی، فکری اور دینی مقام کی حامل شخصیت ہیں۔ ان کی عبقریت مسلم اور دینداری و اخلاص تسلیم شدہ ہے۔ ہم ان کی کوششوں پر سپاس گزار ہیں جو انہوں نے اس کی مراجعت کے لئے فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین) ہماری مراد الرجیح المحتوم کے مصنف جناب محترم مولانا صفی الرحمن صاحب مبارک پوری ہیں۔ ان کی نظر ثانی سے اس تفسیر کی قدر و منزلت میں بلاشبہ اضافہ ہوا ہے۔ اس لئے کہ اس مرد مومن کی قرآن فہمی، سیرت نگاری اور تحقیق حدیث مبارک میں ان کی علمی فضیلت دور حاضر کی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ انہوں نے اسے لفظ بہ لفظ پڑھا اور بعض قابل قدر اضافے فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تفسیر احسن البیان کو دور حاضر کے لئے باعث رشد و ہدایت بنادے اور اس کاوش علمی و فکری کو قبول فرمائے اور مکتبہ کے سربراہان، کارکنان اور اس کار خیر میں حصہ لینے والے تمام افراد کو اس کی جزائے خیر دے۔ آمین

عبدالملک مجاہد

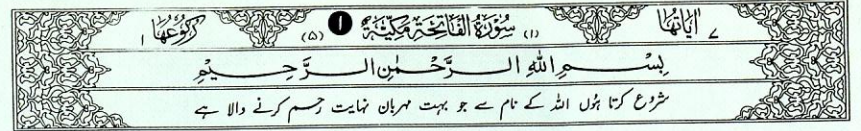
مدیر مسئول دارالسلام الریاض / لاہور



کی
چند امتیازی خصوصیات

سورة	آیت	سورة	آیت	سورة	آیت
فہرست مضامین قرآن مجید					
عقائد					
اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور وجود باری کے دلائل					
البقرة	۱۶۴	النحل	۱۷۳	السجدة	۲۷۲
"	۲۵۸	"	۵۴۳۵۲	الفاطر	۱۳۳۱۱
آل عمران	۱۸	"	۷۳۳۶۵	"	۲۸۲۷
الانعام	۱	"	۸۱۳۷۸	یس	۴۴۳۳۳
"	۱۷۱۳	بنی اسرائیل	۱۲	الزمر	۶۳۴
"	۴۱۴۰	"	۴۲	"	۲۱
"	۶۲	"	۶۶	"	۴۲
"	۷۷	"	۶۷	المؤمن	۶۴۳۶۱
"	۷۸	الكهف	۹	"	۶۸۶۷
"	۷۹	طہ	۵۴۵۳	"	۸۱۳۷۹
"	۸۰	الانبياء	۳۳۳۳۰	حم السجدة	۳۷
"	۸۱	المؤمنون	۸۰۳۷۸	الشورى	۳۳۳۳۲۹
"	۸۲	"	۹۵۸۴	الزخرف	۱۳۳۹
"	۸۳	النور	۴۶۳۴۱	"	۸۷
"	۸۴	الفرقان	۵۴۳۴۵	الجاثية	۵۳۳
"	۸۵	"	۶۴۶۱	"	۱۳۱۲
"	۸۶	الشعراء	۷	ق	۱۱۳۶
"	۸۷	"	۲۸۶۶۲۴	الذريت	۲۱۲۰
"	۸۸	النمل	۶۵۳۶۰	الواقعة	۵۹۳۵۷
"	۸۹	"	۸۶	"	۶۴۶۳
"	۹۰	العنكبوت	۴۴	"	۶۹۶۸
"	۹۱	"	۶۳۶۶۱	"	۷۲۷۱
"	۹۲	الروم	۲۵۳۲۰	الملک	۵۳۱
"	۹۳	"	۳۵۳۳۳	"	۱۹۷۷۱۵
"	۹۴	"	۳۷	"	۲۴۲۳
"	۹۵	"	۴۶	المُرسلت	۳۳۳۲۰
"	۹۶	"	۴۹	"	۲۷۳۲۵
"	۹۷	"	۵۴	الغاشية	۲۰۳۱۷
"	۹۸	لقمن	۱۱۱۰	وحدانیت	
"	۹۹	"	۲۵	البقرة	۱۳۳
"	۱۰۰	"	۳۲۲۹	"	۱۶۳
يوسف	۱۰۵				
الرعد	۴۳				
"	۱۳۱۲				
ابراهيم	۳۳۳۳۲				

سورة	آیت	سورة	آیت	سورة	آیت
النساء	۱۷۱	آل عمران	۶۲	الانبياء	۸۷
المائدة	۷۳	"	۶۴	المؤمنون	۲۳
الانعام	۱۹	النساء	۸۷	"	۹۱
الاعراف	۷۰	المائدة	۷۳	"	۱۱۶
التوبة	۳۱	الانعام	۴۶	النمل	۲۶
يوسف	۳۹	"	۷۱	"	۵۹
الرعد	۱۶	"	۷۲	"	۶۴۶۰
ابراهيم	۵۴۴۸	"	۷۳	القصاص	۷۲۷۰
النحل	۲۲	"	۷۴	"	۸۸
بنی اسرائیل	۴۶	الاعراف	۵۹	الفاطر	۳
الكهف	۱۱۰	"	۶۵	یس	۶۱
الانبياء	۱۰۸	"	۷۳	الصافات	۳۵
الحج	۳۴	"	۸۵	ص	۶۵
العنكبوت	۴۶	"	۱۵۸	الزمر	۳۲
الصف	۴	التوبة	۳۱	"	۶
ص	۵	"	۱۲۹	المؤمن	۳
الزمر	۶۵	يونس	۹۱	"	۶۶
"	۴۵	هود	۲	حم السجدة	۱۳
المؤمن	۸۴۱۶۱۲	"	۲۶	الزخرف	۸۴
حم السجدة	۶	"	۵۰	الدخان	۸
المنتحنة	۴	"	۶۱	الاحقاف	۲۱
الإخلاص	۱	"	۸۴	محمد	۱۹
اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں		يوسف	۳۸	الطور	۴۳
البقرة	۱۶۳	"	۴۰	الحشر	۲۳۲۲
"	۲۵۵	الرعد	۳۰	التغابن	۱۳
آل عمران	۲	النحل	۲	المزمل	۹
"	۶	الكهف	۱۱۰	حیات و بقا	
"	۱۸	طہ	۱۴۸	البقرة	۲۵۵
		"	۹۸	آل عمران	۲
		الانبياء	۲۲	طہ	۷۳
		"	۲۵		



۱ سورۃ الفاتحہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ہے، جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ فاتحہ کے معنی آغاز اور ابتدا کے ہیں، اس لیے اسے الْفَاتِحَةُ یعنی فَاتِحَةُ الْكِتَابِ کہا جاتا ہے۔ اس کے اور بھی متعدد نام احادیث سے ثابت ہیں، مثلاً: اُمُّ الْقُرْآنِ، السَّبْعُ الْمَثَانِي، الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ، الرَّقِيقَةُ (دم) جس طرح ایک صحابی نے ایک بچہ کو ڈسے ہوئے کو اس سے دم کیا تو اسے آرام آگیا، نبی ﷺ نے فرمایا ”تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ دم ہے؟“ (صحیح البخاری، کتاب الاحیاء، باب رقم ۱۶۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب جواز اخذ الاجرة ... الخ) وغیرہا من الاسماء۔ اس کا ایک اہم نام ”الصلوة“ بھی ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ((فَسَمَّيْتُ الصَّلَاةَ بُيُوتِي وَيَوْمَ عِيدِي))۔ (المحدث۔ صحیح مسلم۔ کتاب الصلوة) میں نے صلوٰۃ (نماز) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، مراد سورۃ فاتحہ ہے جس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی رحمت و ربوبیت اور عدل و بادشاہت کے بیان میں ہے اور نصف حصے میں دعا و مناجات ہے جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔ اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کو ”نماز“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کے ارشادات میں اس کی خوب وضاحت کر دی گئی ہے، فرمایا: ((لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم، کتاب الصلوة باب وجوب القراءة ... الخ) اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔ اس حدیث میں (مَنْ) کا لفظ عام ہے جو ہر نمازی کو شامل ہے۔ منفرد ہوا یا امام یا امام کے پیچھے مقتدی۔ سری نماز ہو یا جہری، فرض نماز ہو یا نفل۔ ہر نمازی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ اس عموم کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز فجر میں بعض صحابہ کرامؓ بھی نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے رہے جس کی وجہ سے آپ پر قرات بوجھل ہو گئی، نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ نے پوچھا کہ تم بھی ساتھ پڑھتے رہے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا ((لَا تَفْعَلُوا اَلَا بِاَمِّ الْقُرْآنِ فَانَّهُ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا))۔ ”تم ایسا مت کیا کرو (یعنی ساتھ ساتھ مت پڑھا کرو) البتہ سورۃ فاتحہ ضرور پڑھا کرو، کیونکہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔“ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ صَلَّى صَلَوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِاَمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خَدَاجٌ نَّالًا غَيْرُ تَمَامٍ))۔ ”جس نے بغیر فاتحہ کے نماز پڑھی وہ ناقص ہے مکمل نہیں“ تین مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ ابو ہریرہؓ سے عرض کیا گیا: ((اَنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْاِمَامِ))۔ (امام کے پیچھے بھی ہم نماز پڑھتے ہیں، اس وقت کیا کریں؟) حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: ((اَقْرَأْ بِهَا فَنِي نَفْسِكَ))۔ (امام کے پیچھے تم سورۃ فاتحہ اپنے جی میں پڑھو) (صحیح مسلم، کتاب الصلوة باب نمبر ۱۸) مذکورہ دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ قرآن مجید میں جو آتا ہے: ﴿وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾۔ (الاعراف۔ ۲۰۴) ”جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو“ یا حدیث ((وَإِذَا قَرَأْتَ فَأَنْصِتُوا))۔ (بشرط صحت) ”جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو“ کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی سورۃ فاتحہ سے قبل یا بعد یا سورت کے بعد کے علاوہ باقی قراءت خاموشی سے سنیں۔ امام کے ساتھ قرآن نہ پڑھیں۔ یا امام سورۃ فاتحہ کی آیات و وقفوں کے ساتھ پڑھے تاکہ مقتدی بھی احادیث صحیحہ کے مطابق سورۃ فاتحہ پڑھ سکیں، یا امام سورۃ =

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۱ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۲ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۳ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ۴ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ۱ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ۲ (۲) ہر ایمان نہایت رحم کرنے والا ۳ (۳) بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک ہے ۴ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد

= فاتحہ سے قبل یا بعد یا سورت کے بعد اتنا سکتے کرے کہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔ (صحیح روایات سے قراءت کے بعد سکتے ثابت ہے۔) اس طرح آیت قرآن اور احادیث صحیحہ میں الحمد للہ کوئی تعارض نہیں رہتا۔ دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ جب کہ سورۃ فاتحہ کی مانعیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خاتم بدہن قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ٹکراؤ ہے اور دونوں میں سے کسی ایک پر ہی عمل ہو سکتا ہے۔ بیک وقت دونوں پر عمل ممکن نہیں۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا۔ مزید دیکھئے سورۃ اعراف، آیت ۲۰۴ کا حاشیہ۔

یہ سورت کی ہے۔ کی یا مدنی کا مطلب یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت (۱۳ نبوت) سے قبل نازل ہوئیں وہ کی ہیں، خواہ ان کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا، یا اس کے اطراف و جوانب میں۔ اور مدنی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں، خواہ مدینہ یا اس کے اطراف میں نازل ہوئیں یا اس سے دور۔ حتیٰ کہ اور اس کے اطراف ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ کی بابت اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے، یا ہر سورت کی آیت کا حصہ ہے، یا یہ صرف سورۃ فاتحہ کی ایک آیت ہے یا یہ کسی بھی سورت کی مستقل آیت نہیں ہے، اسے صرف دوسری سورت سے ممتاز کرنے کے لیے ہر سورت کے آغاز میں لکھا جاتا ہے۔ قراء مکہ و کوفہ نے اسے سورۃ فاتحہ سمیت ہر سورت کی آیت قرار دیا ہے، جبکہ قراء مدینہ، بصرہ و شام نے اسے کسی بھی سورت کی آیت تسلیم نہیں کیا ہے، سوائے سورۃ نمل کی آیت ۳۰ کے، کہ اس میں بالاتفاق بسم اللہ اس کا جزو ہے۔ محقق عصر شیخ احمد شاکر مصری مرحوم نے اپنا خلاصہ تحقیق اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ”قرآن میں جہاں بھی بسم اللہ لکھی ہوئی ہے، وہاں قرآنی آیت ہے۔ البتہ اس کا اس سورت کی آیت ہونا جس کے شروع میں وہ تحریر ہے یا اس کا مستقل آیت ہونا، محل نظر و بحث ہے۔ میرے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ سورۃ توبہ کے علاوہ یہ ہر سورت کی آیت ہے۔ اس لئے ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر سورت کے پڑھنے سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھے، سوائے سورۃ توبہ کے۔ چاہے اسی سورت سے تلاوت کا آغاز کرے یا دوران تلاوت کوئی سورت آجائے۔“ (حاشیہ، ترمذی، ج ۲، ص ۲۲، طبع مصر)۔ اسی طرح جہری نمازوں میں اس کے اونچی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اونچی آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض سری آواز سے (فتح القدیر) اکثر علماء نے سری آواز سے پڑھنے کو راجح قرار دیا ہے۔ تاہم جہری آواز سے بھی پڑھنا جائز ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ کے آغاز میں اَقْرَأْ اَبْدًا یا اَتْلُوْا محذوف ہے یعنی اللہ کے نام سے پڑھتا، یا شروع کرتا یا تلاوت کرتا ہوں۔ ہر اہم کام کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ کھانے، زنج، وضو اور جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھو۔ تاہم قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم سے پہلے ((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ)) پڑھنا بھی ضروری ہے ﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾۔ (النحل۔ ۹۸) ”جب تم قرآن کریم پڑھنے لگو تو اللہ کی جناب میں شیطان رجیم سے پناہ مانگو۔“

۱ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ میں ال، استغراق یا انحصار کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، یا اس کے لیے خاص ہیں، کیوں کہ تعریف کا اصل مستحق اور سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی کے اندر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ بھی اللہ =

وَرَأَيْتَكَ تَسْتَغِيثُ ۖ ﴿١﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ﴿٢﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۖ ﴿٣﴾
چاہتے ہیں ۱ (۵) ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا ۲ (۶) ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ۳ ان کی نہیں جن پر

= تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے اس لیے حمد (تعریف) کا مستحق بھی وہی ہے۔ ﴿اللَّهُ﴾ یہ اللہ کا ذاتی نام ہے، اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ یہ کلمہ شکر ہے جس کی بڑی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔ ایک حدیث میں ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کو افضل الذکر اور الْحَمْدُ لِلَّهِ کو افضل الدعاء کہا گیا ہے۔ (سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء ان دعوة المسلم مستجابة) صحیح مسلم اور سنن نسائی کی روایت میں ہے۔ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ﴾۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ۔ میزان کو بھر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء) اسی لیے ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ ہر کھانے پر اور پینے پر بندہ اللہ کی حمد کرے۔ (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء... الخ باب استحباب حمد الله... الخ)

﴿رَبِّ﴾ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، جس کے معنی ہیں ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی ضروریات مہیا کرنے اور اس کی تکمیل تک پہنچانے والا۔ اس کا استعمال بغیر اضافت کے کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ غَالِمِينَ، عَالَمَ (جہان) کی جمع ہے۔ ویسے تو تمام خلّاق کے مجموعے کو عالم کہا جاتا ہے، اسی لیے اس کی جمع نہیں لائی جاتی۔ لیکن یہاں اس کی ربوبیت کلمہ کے اظہار کے لیے عالم کی بھی جمع لائی گئی ہے، جس سے مراد مخلوقات کی الگ الگ جنسیں ہیں۔ مثلاً عالم جن، عالم انس، عالم ملائکہ اور عالم وحوش و طیور وغیرہ۔ ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں، لیکن رَبُّ الْعَالَمِينَ سب کی ضروریات، ان کے احوال و ظروف اور طبائع و اجسام کے مطابق مہیا فرماتا ہے۔

﴿رَحْمَنُ﴾ رَحْمَنُ بَرُّوزَن فَعِلَان اور رَحِيمُ بَرُّوزَن فَعِيلٌ ہے۔ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، جن میں کثرت اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا ہے اور اس کی یہ صفت دیگر صفات کی طرح دائمی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں: رَحْمَنُ میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اسی لیے رَحْمَنُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہا جاتا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت عام ہے جس سے بلا تخصیص کافرو مومن سب فیض یاب ہو رہے ہیں اور آخرت میں وہ صرف رحیم ہو گا، یعنی اس کی رحمت صرف مومنین کے لیے خاص ہو گی۔ ﴿فَسَا كُنْتُمْ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ﴾۔ (الاعراف ۱۵۶) ”میں وہ رحمت ان لوگوں کے لئے ضرور کھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں“ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ

﴿۲﴾ دنیا میں بھی اگرچہ مکافات عمل کا سلسلہ ایک حد تک جاری رہتا ہے، تاہم اس کا مکمل ظہور آخرت میں ہو گا اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق مکمل جزا اور سزا دے گا۔ اسی طرح دنیا میں عارضی طور پر اور بھی کئی لوگوں کے پاس تخت الاسباب اختیارات ہوتے ہیں، لیکن آخرت میں تمام اختیارات کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس روز فرمائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ؟﴾ (آج کس کی بادشاہی ہے؟) پھر وہی جواب دے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾۔ (المؤمن ۱۶) (صرف ایک غالب اللہ کے لیے) ﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ﴾۔ (الانفطار ۱۹) ”اس دن کوئی ہستی کسی کے لیے اختیار نہیں رکھے گی، سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہو گا۔“ یہ ہو گا جزا کا دن۔

۱ عبادت کے معنی ہیں کسی کی رضا کے لیے انتہائی تذلل و عاجزی اور کمال خشوع کا اظہار۔ اور بقول ابن کثیر ”شریعت =

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ ﴿۴﴾

غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔ ۴ (۷)

= میں کمال محبت، خضوع اور خوف کے مجموعے کا نام عبادت ہے، یعنی جس ذات کے ساتھ محبت بھی ہو، اس کی مافوق الاسباب طاقت کے سامنے عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہو اور اسباب و مافوق الاسباب ذرائع سے اس کی گرفت کا خوف بھی ہو۔ سیدھی عبارت تَعْبُدُكَ وَتَسْتَعِينُكَ (ہم تیری عبادت کرتے اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں) ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں مفعول کو فعل پر مقدم کر کے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ فرمایا، جس سے مقصد اختصاص پیدا کرنا ہے، یعنی ”ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں“ اس اعتبار سے نہ عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی جائز ہے اور نہ استعانت ہی کسی اور سے جائز ہے۔ ان الفاظ سے شرک کا سدباب کر دیا گیا ہے، لیکن جن کے دلوں میں شرک کا روگ راہ پا گیا ہے، وہ مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب استعانت میں فرق کو نظر انداز کر کے عوام کو مغالطے میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کرتے ہیں، بیوی سے مدد چاہتے ہیں، ڈرائیور اور دیگر انسانوں سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ باور کراتے ہیں کہ اللہ کے سوا اوروں سے مدد مانگنا بھی جائز ہے۔ حالانکہ اسباب کے ماتحت ایک دوسرے سے مدد چاہنا اور مدد کرنا یہ شرک نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے، جس میں سارے کام ظاہری اسباب کے مطابق ہی ہوتے ہیں، حتیٰ کی انبیاء بھی انسانوں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ﴾۔ (الصف ۱۴) ”اللہ کے (دین کے) لیے کون میرا مددگار ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا: ﴿تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾۔ (المائدة ۲) ”نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کرو“ ظاہریات ہے کہ یہ تعاون ممنوع ہے نہ شرک، بلکہ مطلوب و محمود ہے۔ اس کا اصطلاحی شرک سے کیا تعلق؟ شرک تو یہ ہے کہ ایسے شخص سے مدد طلب کی جائے جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے مدد نہ کر سکتا ہو، جیسے کسی فوت شدہ شخص کو مدد کے لیے پکارنا، اس کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، اس کو نافع و ضار باور کرنا اور دور و نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور تسلیم کرنا۔ اس کا نام ہے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کرنا، اور اسے خدائی صفات سے متصف ماننا۔ اسی کا نام شرک ہے، جو بد قسمتی سے محبت اولیاء کے نام پر مسلمان ملکوں میں عام ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ

توحید کی تین قسمیں: اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی تین اہم قسمیں بھی مختصر بیان کر دی جائیں۔ یہ قسمیں ہیں توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید صفات۔

۱ توحید ربوبیت کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس توحید کو ملاحظہ و زنداقت کے علاوہ تمام لوگ مانتے ہیں، حتیٰ کہ مشرکین بھی اس کے قائل رہے ہیں اور ہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے مشرکین مکہ کا اعتراف نقل کیا ہے۔ مثلاً فرمایا:

”اے پیغمبر! ان سے پوچھیں کہ تم کو آسمان و زمین میں رزق کون دیتا ہے؟ (یا تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ“ (یعنی یہ سب کام کرنے والا اللہ ہے)۔ (یونس ۳۱)

دوسرے مقام پر فرمایا: اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے؟ تو یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ۔ (الزمر ۳۸)

= ایک اور مقام پر فرمایا: "اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے، یہ سب کس کی ملکیت ہے؟ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے، اور اس کے مقابل کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ ان سب کے جواب میں یہ یہی کہیں گے کہ اللہ۔ یعنی یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں۔ (المؤمنون - ۸۳-۸۹) وَغَيْرَ هَٰؤُلَاءِ مِنَ الْآيَاتِ

۲ توحید الوہیت کا مطلب ہے کہ عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت ہر وہ کام ہے جو کسی مخصوص ہستی کی رضا یا اس کی ناراضی کے خوف سے کیا جائے، اس لیے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ صرف یہی عبادت نہیں ہیں بلکہ کسی مخصوص ہستی سے دعاء و التجا کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز دینا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کا طواف کرنا، اس سے طمع اور خوف رکھنا وغیرہ بھی عبادت ہیں۔ توحید الوہیت یہ ہے کہ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیے جائیں۔ (تاہم ظاہری اسباب کے مطابق زندہ انسانوں سے طمع یا خوف، توحید کے متنافی نہیں ہے)

قبر پرستی کے مرض میں مبتلا عوام و خواص اس توحید الوہیت میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور مذکورہ عبادت کی بہت سی قسمیں وہ قبروں میں مدفون افراد اور فوت شدہ بزرگوں کے لیے بھی کرتے ہیں۔

۳ اور توحید صفات کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کو بغیر کسی تاویل اور تحریف کے تسلیم کریں اور وہ صفات اس انداز میں کسی اور کے اندر نہ مانیں۔ مثلاً جس طرح اس کی صفت علم غیب ہے، یا دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے پر وہ قادر ہے، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے، یہ یا اس قسم کی اور صفات اللہ ان میں سے کوئی صفت بھی اللہ کے سوا کسی نبی، ولی یا کسی بھی شخص کے اندر تسلیم نہ کی جائیں۔ اگر تسلیم کی جائیں گی تو یہ شرک ہوگا۔

افسوس ہے کہ قبروں کے پجاریوں میں شرک کی یہ قسم بھی عام ہے اور انہوں نے اللہ کی مذکورہ صفات میں بہت سے بندوں کو بھی شریک کر رکھا ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

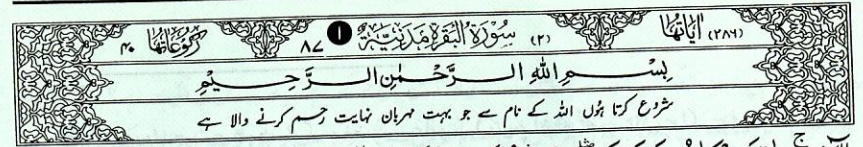
۴ ہدایت کے کئی مفہوم ہیں۔ راستے کی طرف رہنمائی کرنا، راستے پر چلا دینا، منزل مقصود پر پہنچا دینا۔ اسے عربی میں ارشاد، توفیق، الامام اور دلالت سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی ہماری صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرما، اس پر چلنے کی توفیق اور اس پر استقامت نصیب فرما، تاکہ ہمیں تیری رضا (منزل مقصود) حاصل ہو جائے۔ یہ صراط مستقیم محض عقل اور ذہانت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ صراط مستقیم وہی "الاسلام" ہے، جسے نبی ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور جو اب قرآن و احادیث صحیحہ میں محفوظ ہے۔

۵ یہ صراط مستقیم کی وضاحت ہے کہ یہ سیدھا راستہ وہ ہے جس پر وہ لوگ چلے، جن پر تیرا انعام ہوا۔ یہ مُنْعَمٌ عَلَيْهِ گروہ ہے انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کا۔ جیسا کہ سورہ نساء میں ہے ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا﴾۔ (النساء، ۶۹) "اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں، وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، اور صالحین، اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔" اس آیت میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ انعام یافتہ لوگوں کا یہ راستہ اطاعت الہی اور اطاعت رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے، نہ کہ کوئی =

اور راستہ۔

۱ بعض روایات سے ثابت ہے کہ مَعْصُوبٌ عَلَيْهِمْ (جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا) سے مراد یہودی اور ضالکین (گمراہوں) سے مراد نصاریٰ (عیسائی) ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ لَا أَعْلَمُ إِلَّا بِأَبْنِ الْمُفَسِّرِينَ فِي تَفْسِيرِ الْمَعْصُوبِ عَلَيْهِمْ بِالْيَهُودِ وَالضَّالِّينَ بِالنَّصَارَى۔ (فتح القدیر) اس لیے صراط مستقیم پر چلنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ دونوں کی گمراہیوں سے بچ کر رہیں۔ یہودی کی بڑی گمراہی یہ تھی کہ وہ جانتے بوجھتے صحیح راستے پر نہیں چلتے تھے، آیات الہی میں تحریف اور حیلہ کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے، حضرت عزیر کو انہوں نے ابن اللہ کہا، اور وہ اپنے اخبار اور رہبان کو حرام و حلال کرنے کا مجاز سمجھتے تھے۔ نصاریٰ کی بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کیا اور انہیں ابن اللہ اور ثالث ثلاثہ (اللہ کا بیٹا اور تین خداؤں میں سے ایک) قرار دیا۔ افسوس ہے کہ امت محمدیہ میں بھی افراط و غلو کی یہ گمراہیاں عام ہیں اور اسی وجہ سے وہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے ضلالت کے گڑھے سے نکلے، تاکہ دوبارہ تکبت کے بڑھتے ہوئے سامنے سے وہ محفوظ رہ سکے۔

سورہ فاتحہ کے آخر میں آمین کہنے کی نبی ﷺ نے بڑی تاکید اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس لیے امام اور مقتدی ہر ایک کو آمین کہنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جری نمازوں میں) اونچی آواز سے آمین کہا کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھتی۔ (سنن ابن ماجہ - کتاب الصلوٰۃ، باب الجہر بآمین، سنن ابی داؤد، باب التأمین وراء الامام، صحيح البخاری، باب جہر الامام بالتأمین، و باب جہر المأموم بالتأمین) بنا بریں آمین اونچی آواز سے کہنا سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بہ ہے۔ آمین کے معنی مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ كَذَلِكَ فَلْيُكُنْ (اسی طرح ہو) لَا تُحِيبُ رَجَاءً نَا (ہمیں نامراند نہ کرنا) اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لَنَا (اے اللہ ہماری دعا قبول فرمائے)۔



الْعَلَّ ۱ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۚ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ ۱ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ ۲ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن ۖ

۱ اس سورت میں آگے چل کر گائے کا واقعہ بیان ہوا، اس لیے اسے سورۃ البقرہ (گائے کے واقعے والی سورت) کہا جاتا ہے۔ حدیث میں اس کی ایک خاص فضیلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جس گھریں یہ پڑھی جائے، اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ فرمایا: ((لَا تَحْمِلُوا يُبُوءُكُمْ مَقَابِرَ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفَعُ مِنَ النَّبِيِّ الَّذِي تَقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ))۔ (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ) نزول کے اعتبار سے یہ مدنی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے البتہ اس کی بعض آیات حجتہ الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں۔ بعض علماء کے نزدیک اس میں ایک ہزار خبر، ایک ہزار احکام اور ایک ہزار منہیات ہیں۔ (ابن کثیر) منہیات کا مطلب حرام اور ممنوع باتیں۔ ۲ انہیں حروف مُفْطَلَعَات کہا جاتا ہے، یعنی علیحدہ علیحدہ پڑھے جانے والے حروف۔ ان کے معنی کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ۔ البتہ نبی ﷺ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ میں نہیں کتا کہ الہم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے اور ہر حرف پر ایک نیکی اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔

(سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فیمن قرأ حرفاً ... الخ)

۳ اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الم سجدہ ۲) بعض علما نے کہا ہے کہ یہ خبر بمعنی نہی ہے۔ اٰی لَا تَرْتَابُوْا فِيْهِ (اس میں شک نہ کرو)۔ علاوہ ازیں اس میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان کی صداقت میں جو احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان سے انسانیت کی فلاح و نجات وابستہ ہونے میں اور جو عقائد (توحید و رسالت اور معاہدے کے بارے میں) بیان کیے گئے ہیں، ان کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں۔

آکھ والا تری قدرت کا تماشا دیکھے

دیدہ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے

۴ ویسے تو یہ کتاب الہی تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس چشمہ فیض سے سیراب صرف وہی لوگ ہوں گے، جو آب حیات کے متلاشی اور خوف الہی سے سرشار ہوں گے۔ جس کے دل میں مرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر جواب دہی کا احساس اور اس کی فکر ہی نہیں، اس کے اندر ہدایت کی طلب، یا گمراہی سے بچنے کا جذبہ ہی نہیں ہو گا، تو اسے ہدایت کہاں سے اور کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے؟

۵ امور غیبیہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا ادراک عقل و حواس سے ممکن نہیں۔ جیسے ذات باری تعالیٰ، وحی الہی،

قَبْلِكَ ۚ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ ۴

ہیں۔ ۱ (۳) اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا ۲ اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ (۴)

= جنت، دوزخ، ملائکہ، عذاب قبر اور حشر اجساد وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی بتلائی ہوئی ماورائے عقل و احساس باتوں پر یقین رکھنا، جزو ایمان ہے اور ان کا انکار کفر و ضلالت ہے۔

۱ اقامت صلوٰۃ سے مراد پابندی سے اور سنت نبوی کے مطابق نماز کا اہتمام کرنا ہے، ورنہ نماز تو منافقین بھی پڑھتے تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے سورۃ العنکبوت، ۳۵ کا حاشیہ)

۱ انفاق کا لفظ عام ہے، جو صدقات واجبہ اور نفلہ دونوں کو شامل ہے۔ اہل ایمان حسب استطاعت دونوں میں کوتاہی نہیں کرتے، بلکہ ماں باپ اور اہل و عیال پر صحیح طریقے سے خرچ کرنا بھی اس میں داخل ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔

۲ پچھلی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں، وہ سب سچی ہیں، وہ اب اپنی اصل شکل میں دنیا میں باقی نہیں جاتیں، نیز اب ان پر عمل بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اب عمل صرف قرآن اور اس کی تشریح نبوی - حدیث - پر ہی کیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی و رسالت کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا ہے، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر وحی نازل ہونے والی ہوتی تو اس پر بھی ایمان لانے کا ذکر اللہ تعالیٰ ضرور فرماتا۔